Al-Raqim (Research Journal of Islamic Studies)
Volume 02, Issue 02, October-December 2024.
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim/index
Publisher: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus, Pakistan
Email: editor.alraqim@iub.edu.pk

اسلامی تہذیب وثقافت میں اخذ وعطا کا منہج: قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ

The Methodology of Acceptance and Adaptation in Islamic Civilization and Culture: A Research Study in the Light of the Qur’an and Sunnah

Muhammad Adeel Zafar
PhD Research Scholar , Department Of Islamic Studies Institute Of Islamic Studies Bahauddin Zakariya University, Multan
Email: adeelzaffar512@gmail.com
Dr. Razia Shabana
Associate Professor, Institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University Multan
Email: raziashabana@bzu.edu.pk

Abstract:

Islamic civilization and culture are not static entities; rather, they constitute a dynamic and evolutionary system that has developed through interaction with diverse nations and societies. While firmly rooted in its foundational principles, Islamic civilization accommodates external diversity within a structured moral and intellectual framework. In this regard, the concept of Akhz wa ʿAṭā ʾ (receiving and giving) holds significant relevance in the contemporary era. Linguistically, akhz denotes taking or acquiring, whereas in a technical sense it implies a principled, conscious, and selective acceptance grounded in Islamic values.

The Qur’an and Sunnah present Akhz wa ʿAṭā ʾ as a morally guided and intellectually responsible practice. From a jurisprudential perspective, its permissibility is determined in light of the objectives of Sharīʿah (Maqāṣid al-Sharīʿah), prevailing customs (ʿurf), and considerations of

Al-Raqim Research Journal, Department of Islamic Studies, IUB, RYK Campus is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

public welfare (maṣlaḥah). Any engagement that undermines the protection of religion, life, intellect, lineage, or property falls outside its legitimate scope.

Civilization encompasses the intellectual, scientific, and institutional dimensions of society, whereas culture reflects its moral values, traditions, and social patterns. Islamic history demonstrates that constructive engagement with other civilizations enhanced its intellectual vitality and creative strength without compromising its identity. In the modern context, the Islamic approach to Akhz wa ʿAṭāʾ advocates a balanced, critical, and conscious engagement that preserves core principles while benefiting from global advancements.

Keywords:

Akhz wa ʿAṭāʾ, Islamic Civilization, Culture, Qur'an and Sunnah, Maqāṣid al-Sharīʿah, Public Interest, Intercivilizational Interaction.

اسلامی تہذیب وثقافت کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ یہ تہذیب جامد نہیں بلکہ ارتقائی اور متحرک رہی ہے۔ مختلف ادوار میں مسلمانوں کا دیگر اقوام سے علمی، فکری اور تہذیبی تعامل رہا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جو اپنی اصولی بنیادوں میں ثابت قدم اور اپنے مظاہر میں متنوع تھی۔ عصرِ حاضر میں عالمگیریت ، ثقافتی یلغار اور فکری انتشار کے تناظر میں یہ سوال نہایت اہم ہو چکا ہے کہ اسلامی تہذیب میں اخذ وعطا کا شرعی اور اصولی منہج کیا ہے۔ اخذ وعطا کا لغوی واصطلاحی مفہوم قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے۔

اخذ کے لغوی معنی:

لفظ اَخُذ عربی مادہ "أخذ" سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو لینا، تھام لینا، اختیار کرنا اور مضبوطی سے پکڑ لینا۔

"وفقًا لابن فارس، المعنى الأساسي للاخذ هو 'القبض والاختيار'، وهو ينطبق على الصورتين المادية والمعنوية"۔1

ابنِ فارس کے مطابق اخذ کا بنیادی مفہوم "قبض اور اختیار" ہے، جو مادی اور معنوی دونوں صورتوں پر صادق آتا ہے۔

لفظ اَخَذ عربی مادہ (أخذ) سے ماخوذ ہے، جو ثلاثی مجرد فعل ہے اور اس کا بنیادی مفہوم کسی شے کو حاصل کرنا، پکڑنا یا اپنے اختیار میں لینا ہے۔ لغوی اعتبار سے اخذ میں صرف حصول کا مفہوم نہیں بلکہ اس میں قبض، تسلط اور اختیار کی معنوی جہت بھی شامل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ کسی نے کسی چیز کو 'اَخَذَ'، تو اس کا مطلب محض لینا نہیں بلکہ اسے اپنے قبضہ و تصرف میں لے لینا ہوتا ہے۔

لغوی ماہرین کے نزدیک اخذ کا مفہوم دو بنیادی پہلوؤں پر مشتمل ہے: (1) قبض یعنی کسی شے کو جسمانی طور پر پکڑ لینا، اور (2) اختیار یعنی اسے ارادی طور پر قبول کرنا یا اپنے تصرف میں لانا۔ ابن فارس کے اصول کے مطابق ہر مادہ کا ایک بنیادی معنوی محور ہوتا ہے، اور 'اخذ' کا محور کسی چیز کو اپنے قبضے یا ارادے کے تحت لانا ہے۔ یہ معنی مادی اور معنوی دونوں سطحوں پر صادق آتا ہے۔

مادی سطح پر اخذ کا استعمال کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنے، مال حاصل کرنے یا کسی شخص کو گرفتار کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: 'اخذ الکتاب' (اس نے کتاب لے لی)۔ جبکہ معنوی سطح پر اخذ علم حاصل کرنے، عہد قبول کرنے یا کسی مؤقف کو اختیار کرنے کے معنی میں آتا ہے، جیسے: 'أخذ بالعهد' (اس نے عہد کو اختیار کیا) یا 'أخذ العلم' (اس نے علم حاصل کیا۔ اس طرح لغوی تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اخذ کا مفہوم محض ''لینا'' نہیں بلکہ ارادی قبض، اختیار اور التزام کی جامع دلالت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی اور اصولی مباحث میں جب 'اخذ حکم' یا 'اخذ مال' کی تعبیر آتی ہے تو اس میں قانونی و اخلاقی ذمہ داری کا مفہوم بھی شامل سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اخذ اپنے اندر شعوری اور اختیاری عمل کو مضمر رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں بھی اخذ کا استعمال دونوں معنوں میں وارد ہوا ہے؛ کہیں یہ گرفت اور مؤاخذہ کے مفہوم میں ہے، اور کہیں عہد یا شریعت کو مضبوطی سے تھام لینے کے معنی میں۔

قرآنی مفہوم اخذ و عطا:

قرآنِ مجید میں اَخذ اور عطا کا تصور محض مادی لین دین یا ظاہری تبادلے تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اخلاقی، روحانی اور اقداری نظام کا حصہ ہے۔ قرآن انسان کو صرف اشیاء کے حصول کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ حق، ہدایت، وحی اور ذمہ داری کو مضبوطی سے اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی تناظر میں ارشاد ہوتا ہے:

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ 2

(پس اسے مضبوطی سے تھام لو)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اخذ کا مطلب محض قبول کرنا نہیں بلکہ شعوری التزام اور مضبوط وابستگی ہے۔ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کیے جانے کے موقع پر نازل ہوئی، جہاں ''اَخذ'' کا مفہوم محض کسی کتاب کو ہاتھ میں لینا نہیں بلکہ اس کی تعلیمات کو سنجیدگی، عزم اور عملی التزام کے ساتھ اختیار کرنا ہے۔ یہاں "بِقُوَّةٍ" کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حق کو قبول کرنا ایک فعال، شعوری اور ذمہ دارانہ عمل ہے۔

اسی طرح قرآن میں 'اخذ' کا استعمال عہد، شریعت اور ہدایت کو قبول کرنے کے معنوں میں آیا ہے، جبکہ "عطا" کا مفہوم بھی صرف مال یا نعمت دینے تک محدود نہیں بلکہ علم، حکمت، اقتدار اور رحمت کی بخشش کو بھی شامل ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت مل جائے اسے بڑی خیر نصیب ہوئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عطا کا تصور بھی اخلاقی اور فکری ارتقاء سے مربوط ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ 3

(حکمت دیتا ہے جسے چاہے)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ عطا کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، اور حکمت ایک ایسی عطا ہے جو تہذیبی اور فکری سطح پر امتوں کی تشکیل کرتی ہے۔ یوں قرآنِ مجید میں اخذ و عطا ایک اخلاقی دائرہ تشکیل دیتے ہیں۔ انسان کو خیر کو مضبوطی سے تھامنا، حق کو اختیار کرنا اور شر سے اجتناب کرنا ہے؛ جبکہ عطا کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ دیا جائے وہ ذمہ داری اور امانت کے شعور کے ساتھ استعمال ہو۔ اس تناظر میں اخذ محض حصول نہیں بلکہ التزام ہے، اور عطا محض بخشش نہیں بلکہ آزمائش اور ذمہ داری بھی ہے۔

قرآنِ مجید میں اخذ و عطا کے اصول:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اخذ و عطا یعنی دینے (عطیہ، صدقہ، زکوٰۃ) اور لینے (لین دین، تجارت، حقوق وصول کرنا) کے اصول واضح کیے ہیں تاکہ معاشرہ عدل، انصاف اور باہمی ذمہ داری کے تحت ترقی کرے۔ اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

باہمی رضامندی اور عدل:

قرآن نے لین دین (تجارت، معاہدے، خرید و فروخت) میں باہمی رضامندی کو سب سے پہلا اصول قرار دیا ہے۔ دونوں فریقین آزاد ارادہ سے معاہدہ کریں، نہ کسی پر جبر ہو، نہ دھوکہ ہو۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً"4

(اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو)

زکوٰۃ اور صدقات عطا کا نظام:

عطیہ اور صدقہ قرآن میں اہم کردار رکھتے ہیں قرآن نے مسلمانوں کو اپنے مال میں ایک حصہ دینے کا حکم دیا ہے تاکہ دولت برابر تقسیم ہو، ضرورت مندوں کی مدد ہو اور دل و روح پاک ہوں، زکوٰۃ اسلام کا رکن (تیسرا ستون) ہے اور اسے نماز کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے، صدقات میں ایمان، خیر خواہی، اور خلوصِ نیت کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی وضاحت ہم قرآن مجید سے کرتے ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" 5

(ان کے مال سے (زکوٰۃ یعنی) صدقہ لو تاکہ تم انہیں پاک اور پاکیزہ کرو، اور ان پر دعا کرو، بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

انصاف اور حقوق کا تحفظ:

قرآن نے ربا (سودی لین دین)، دھوکہ، فراڈ، زبردستی اور ظلم کو سختی سے منع کیا تاکہ مال کا صحیح اور شفاف تبادلہ ہو۔ یہ اصول معاشرتی امن اور بھائی چارہ قائم رکھتے ہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں مفہومِ اخذ و عطا:

احادیثِ نبویہ میں اخذ و عطا کا تصور حکمت، علم اور مفید روایت کے تناظر میں سامنے آتا ہے۔ احادیثِ نبویہ میں اخذ و عطا کا مفہوم صرف مالی لین دین تک محدود نہیں بلکہ علم، حکمت اور خیر کے حصول و اشاعت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَأَيْنَمَا وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا6

(حکمت مؤمن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں سے بھی ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔)

اس حدیث میں 'اخذ' کا مفہوم کسی مادی شے کو لینے کے بجائے حکمت کو اختیار کرنے، قبول کرنے اور اپنانے کے معنی میں ہے۔ "ضالّة" کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں رہتا ہے، اسی طرح مؤمن کو حکمت کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ جہاں بھی سچائی، دانائی یا خیر کی بات ملے، وہ اسے قبول کرے، بشرطیکہ وہ شریعت کے اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

یہ تصور اسلامی فکر میں علمی کشادگی اور فکری توازن کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہاں اخذ کا مطلب اندھا تقلید نہیں بلکہ بصیرت کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ اسی طرح ''عطا' کا مفہوم بھی محض دینا نہیں بلکہ علم اور خیر کو دوسروں تک منتقل کرنا ہے۔

یہاں عطا کا مفہوم روایت اور علم کی امانت کو صحیح انداز میں آگے منتقل کرنا ہے۔ اس طرح حدیثِ نبوی ﷺ میں اخذ و عطا کا تصور ایک اخلاقی و علمی ذمہ داری کی صورت اختیار کر لیتا ہے: مؤمن حکمت کو جہاں پائے اختیار کرے، اور جو خیر و علم اسے عطا ہو وہ اسے امانت سمجھ کر دوسروں تک پہنچائے۔ یوں اسلامی تعلیمات میں اخذ و عطا کا دائرہ فکری بالیدگی، اخلاقی ذمہ داری اور اجتماعی اصلاح تک پھیل جاتا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام مفید علم اور حکمت کے اخذ کی ترغیب دیتا ہے، خواہ اس کا ماخذ کوئی بھی ہو، بشرطیکہ وہ اسلامی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

سنتِ نبوی ﷺ میں اخذ و عطا کا منہج:

سنتِ نبوی ﷺ میں اخذ و عطا محض لین دین نہیں بلکہ عدل، احسان، قناعت، ایثار اور امانت پر مبنی ایک مکمل اخلاقی نظام ہے۔

لینے میں طمع اور حرص سے اجتناب:

رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت سوال اور ناجائز اخذ سے منع فرمایا:

"مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا"7

(جو مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے، وہ گویا آگ مانگتا ہے)

عطا کرنے میں کشادگی اور ایثار:

نبی کریم ﷺ خود کم وسائل کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

"مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ"8

(صدقے نے مال میں کبھی کوئی کمی نہیں کی)

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں عملی تطبیق:

عہدِ نبوی ﷺ میں اخذ وعطا کا منہج محض نظری نہیں تھا بلکہ عملی زندگی میں پوری طرح نافذ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی وحی کو اخذ کیا اور اسے حکمت، عدل اور رحمت کے ساتھ معاشرے تک منتقل فرمایا۔

علم وہدایت کی عطا:

نبی کریم ﷺ نے قرآن وسنت کی تعلیم عام کی، ہر طبقے غلام، آزاد، مرد، عورت کو علم عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بلّغوا عنّي ولو آية"9

(یعنی علم کو آگے پہنچانا ایک اجتماعی ذمہ داری قرار دی)

علم وہدایت کی عطا کے باب میں آپ ﷺ نے کسی طبقاتی تخصیص کے بغیر تعلیم کو عام فرمایا۔ غلام وآزاد، مرد وعورت، عرب وعجم سب کو یکساں طور پر قرآن وسنت کی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان اس امر کی دلیل ہے کہ علم کو آگے پہنچانا اجتماعی ذمہ داری ہے۔ یہاں اخذ کا مطلب علم کو سیکھنا اور سمجھنا ہے، جبکہ عطا کا مفہوم اسے امانت کے ساتھ دوسروں تک منتقل کرنا ہے۔ اس سے ایک ایسا علمی معاشرہ تشکیل پایا جس میں خیر کی گردش اور فکری بالیدگی کو فروغ ملا۔

معاشرتی اخذ وعطا:

مدینہ کے معاشرے میں مواخات (بھائی چارہ) قائم کیا گیا، جہاں مہاجرین نے انصار سے تعاون لیا اور انصار نے دل کھول کر مال ووسائل عطا کیے۔ یہ خالص عملی اخذ وعطا کی بہترین مثال ہے۔ معاشرتی سطح پر مدینہ منورہ میں مواخات کا قیام اخذ وعطا کی عملی تعبیر تھا۔ مدینہ کے معاشرے میں مہاجرین نے انصار سے تعاون اخذ کیا اور انصار نے خلوصِ دل سے اپنے مال ووسائل عطا کیے۔ یہ لین دین محض معاشی نہیں بلکہ ایمانی اخوت پر مبنی تھا، جس میں ایثار، ہمدردی اور عدل شامل تھا۔ اس اقدام نے ایک ایسے معاشرتی توازن کو جنم دیا جس میں کمزور طبقات تنہا نہ رہے بلکہ اجتماعی ذمہ داری کے تحت ان کی کفالت ہوئی۔

عدل وانصاف میں توازن:

رسول اللہ ﷺ نے افراد کے حقوق اخذ کیے (مثلاً قانون کی پابندی) اور بدلے میں ان کو امن، عدل اور عزت عطا کی۔ یہاں کوئی طبقاتی امتیاز نہیں تھا۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اخذ وعطا کا تصور ایک زندہ اور عملی منہج کی صورت میں نمایاں تھا۔ آپ ﷺ نے وحیِ الٰہی کو محض وصول (اخذ) نہیں کیا بلکہ اسے حکمت، عدل اور رحمت کے ساتھ انسانی معاشرے تک پہنچایا۔ وحی کا اخذ ایک ذمہ داری تھا اور اس

کی تبلیغ و تعلیم ایک امانت۔ قرآنِ مجید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رسول کا منصب صرف پیغام لینا نہیں بلکہ اسے پوری دیانت اور حکمت کے ساتھ پہنچانا بھی ہے۔ یوں اخذ و عطا کا پہلا عملی نمونہ خود ذاتِ نبوی ﷺ میں جلوہ گر ہوا۔

عدل و انصاف کے میدان میں بھی اخذ و عطا کا متوازن نظام قائم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے افراد سے قانون کی پابندی اور اخلاقی ذمہ داری کا اخذ کیا، اور بدلے میں انہیں امن، عدل اور عزت عطا کی۔ کسی کو نسب، رنگ یا مال کی بنیاد پر فوقیت نہ دی گئی۔ اس طرح عہدِ نبوی ﷺ میں اخذ و عطا ایک جامع اخلاقی و سماجی اصول کے طور پر نافذ تھا، جس نے نہ صرف روحانی تربیت کی بلکہ ایک منظم، منصفانہ اور فلاحی معاشرہ تشکیل دیا۔ یہی منہج بعد ازاں خلافتِ راشدہ میں ریاستی نظم و نسق کی بنیاد بنا اور عملی طور پر مزید مستحکم ہوا۔

فقہی و اصولی ضوابطِ اخذ و عطا:

فقہاءِ اسلام نے اخذ و عطا کے تصور کو مقاصدِ شریعت، مصلحتِ مرسلہ اور عرف کے اصولوں کے تحت بیان کیا ہے۔ امام شاطبیؒ کے نزدیک شریعت کا مقصد انسانی مصالح کا تحفظ ہے، اس لیے کسی غیر اسلامی تہذیب سے وہ امور اخذ کرنا جو دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ میں معاون ہوں، جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فقہی قاعدہ ہے: "الْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ"، عرف معتبر ہے۔ یہ قاعدہ تہذیبی اور ثقافتی اخذ و عطا کے لیے ایک مضبوط فقہی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ان تمام نصوص اور فقہی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں اخذ و عطا سے مراد وہ شعوری، اصولی اور اقداری تعامل ہے جس کے ذریعے مسلمان دیگر تہذیبوں سے مفید عناصر کو قرآن و سنت اور مقاصدِ شریعت کے معیار پر پرکھ کر قبول کرتے ہیں، اور اپنی تہذیبی شناخت کو محفوظ رکھتے ہیں۔

اسلام میں اخذ و عطا (دوسری اقوام، تہذیبوں یا افکار سے لینا اور دینا) ایک ضابطہ بند عمل ہے، جو قرآن، سنت اور اصولِ فقہ کی روشنی میں طے ہوتا ہے۔ فقہاء نے اس کے لیے واضح اصول مقرر کیے ہیں تاکہ دین کی اصل روح محفوظ رہے۔

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اخذ کا معیار:

مقاصدِ شریعت (حفظِ دین، جان، عقل، نسل اور مال) اخذ و عطا کا بنیادی معیار ہیں اگر کسی غیر اسلامی معاشرتی یا تہذیبی عنصر کو اپنانا مقاصدِ شریعت کے موافق ہو تو وہ قابلِ قبول ہے، اور اگر ان کے منافی ہو تو ناقابلِ قبول۔

امام شاطبیؒ کے مطابق:

"جميعُ أحكامِ الشريعةِ إنما وُضِعَتْ لحفظِ مصالحِ الإنسان "-10

(شریعت کے تمام احکام انسانی مصالح کے تحفظ کے لیے ہیں)

بدعت، تشبّہ اور اختلاط کی حدود:

اسلامی شریعت میں اخذ و عطا کا منہج اگرچہ وسعت اور حکمت پر مبنی ہے، تاہم اس کے لیے بعض اصولی حدود بھی مقرر کی گئی ہیں تاکہ دینی شناخت، اعتقادی صفائی اور عملی توازن برقرار رہے۔ انہی حدود میں بدعت، تشبّہ اور اختلاط کے مفاہیم اہمیت رکھتے ہیں۔

بدعت:

بدعت سے مراد ایسا نیا دینی عمل ہے جو عبادات یا شعائرِ دین میں اضافہ یا کمی کا سبب بنے اور جس کی اصل کتاب وسنت یا تعاملِ سلف میں موجود نہ ہو۔ فقہاء کے نزدیک جو عمل دین کا حصہ سمجھ کر اختیار کیا جائے لیکن اس کی شرعی بنیاد نہ ہو، وہ بدعتِ مذمومہ ہے۔ اس لیے اخذ وعطا کے باب میں اگر کسی خارجی اثر یا نئی روایت کو اس طرح قبول کیا جائے کہ وہ شریعت کے منصوص یا مقاصدی ڈھانچے میں تغیر پیدا کرے تو وہ ناقابلِ قبول ہوگا۔ البتہ ایسے امور جو محض تنظیمی، معاشرتی یا تمدنی نوعیت کے ہوں اور نصوصِ شرعیہ سے متصادم نہ ہوں، انہیں بدعت کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاتا۔

"ایسا نیا عمل جو دین میں اضافہ یا کمی کرے اور اس کی اصل شریعت میں نہ ہو، وہ بدعت ہے اور اخذ وعطا میں ممنوع ہے۔"11

تشبّہ بالکفار:

تشبّہ بالکفار کی حد اس وقت قائم ہوتی ہے جب کسی غیر مسلم قوم کی ایسی مشابہت اختیار کی جائے جو ان کے مخصوص دینی شعار یا مذہبی علامات سے متعلق ہو۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں "من تشبہ بقوم فھو منھم" کے ذریعے اس پہلو کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس اصول کی رو سے عبادات، مذہبی علامات یا اعتقادی مظاہر میں مشابہت ناجائز ہے۔ تاہم دنیاوی، فنی، سائنسی یا تمدنی امور میں جہاں کوئی دینی شعار شامل نہ ہو اور نہ ہی اس سے اعتقادی وابستگی پیدا ہو، وہاں مطلق ممانعت نہیں۔ اسی بنا پر تاریخِ اسلام میں مختلف اقوام سے نظمِ حکومت، فنِ حرب یا معاشی طریقہ کار اخذ کیے گئے، مگر دینی تشخص برقرار رکھا گیا۔

"اگر کسی غیر مسلم قوم کی مشابہت دینی شعار میں ہو تو وہ ناجائز ہے، البتہ دنیاوی وعرفی امور میں مطلق ممانعت نہیں۔"12

اختلاط:

اختلاطِ حق وباطل سے مراد ایسا فکری یا عملی امتزاج ہے جس میں صحیح وباطل کا امتیاز مٹ جائے اور عقیدہ یا شریعت میں ابہام پیدا ہو۔ فقہاء اور اصولیین کے نزدیک وہ اخذ جو باطل نظریات یا غیر اسلامی تصورات کو اسلامی فکر میں اس طرح داخل کر دے کہ حدِ فاصل باقی نہ رہے، قابلِ قبول نہیں۔ اس کے برعکس وہ اخذ جو خیر، حکمت یا مفید تجربات تک محدود ہو اور شریعت کے اصولوں کے تحت منضبط ہو، جائز اور بعض اوقات مطلوب بھی ہو سکتا ہے۔

"وہ اخذ وعطا جو حق وباطل کے خلطِ مبحث کا سبب بنے، فقہاء کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے۔"13

یوں اسلامی منہج میں اخذ و عطا نہ تو مطلق انکار پر مبنی ہے اور نہ غیر مشروط قبولیت پر، بلکہ یہ ایک متوازن اصولی نظام ہے جس میں دین کی حفاظت، اعتقادی صفائی اور اخلاقی استقامت کو بنیادی معیار بنایا گیا ہے۔

مصلحتِ مرسلہ کا کردار:

مصلحتِ مرسلہ سے مراد وہ مصلحت ہے: جو کسی خاص نص (آیت یا حدیث) میں صراحتاً مذکور نہ ہو، نہ ہی اس کی ممانعت وارد ہو، لیکن وہ شریعت کے کلی مقاصد (حفظِ دین، نفس، عقل، نسل، مال) سے ہم آہنگ ہو اور عوام الناس کے لیے عمومی فائدہ رکھتی ہو۔
یہ اصول خاص طور پر مالکیہ کے ہاں نمایاں ہے، جبکہ دیگر ائمہ بھی مخصوص قیود کے ساتھ اسے قبول کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ قطعی نص کے خلاف نہ ہو۔ وہ وہمی یا شخصی مفاد نہ ہو بلکہ حقیقی اور عمومی منفعت ہو اور مقاصدِ شریعت سے ہم آہنگ ہو۔

عرف:

عرف سے مراد وہ رائج عادت یا سماجی طریقہ ہے جو لوگوں کے درمیان عام ہو اور جسے عقلِ سلیم قبول کرتی ہو۔
اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ بعض معاملات میں عرف کی حیثیت نص کے قائم مقام ہوتی ہے۔ لیکن اس کی شرائط ہیں:

- عرف عام اور غالب ہو۔
- نصِ شرعی کے خلاف نہ ہو۔
- فساد یا ظلم پر مبنی نہ ہو۔
- اخذ و عطا میں عرف کی بنیاد
- معاملاتِ مالیہ میں: اجرت کی مقدار، تحفے کی نوعیت، کمیشن یا خدماتی فیس، نکاح میں مہر کی تعیین، اکثر عرف کی بنیاد پر متعین ہوتے ہیں۔
- اگر کوئی طریقۂ اخذ و عطا معاشرے میں معروف ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو تو اسے معتبر سمجھا جاتا ہے۔

"اسلامی فقہ میں عرف معتبر ہے، بشرطیکہ وہ نصوصِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ بہت سے معاشرتی معاملات میں اخذ و عطا عرف کی بنیاد پر جائز قرار پاتا ہے"14۔

مصلحتِ مرسلہ:

"وہ مصلحت جو نہ صراحتاً منصوص ہو اور نہ ہی ممنوع، لیکن عمومی فائدہ رکھتی ہو، اس کی بنیاد پر اخذ و عطا کی اجازت دی جاسکتی ہے"15۔

فقہاء کے اختلافات اور ان کی بنیاد

فقہاء کے درمیان اخذ و عطا کے دائرے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی بنیادی وجوہ یہ ہیں" نصوص کے فہم کا اختلاف، عرف کے اختلافات، مصلحت کے تعین میں فرق، سدّ الذرائع یا فتح الذرائع کا اختلافی اطلاق، یہ اختلاف رحمت ہے اور شریعت کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے".16

اخذ و عطا میں اس کا اطلاق:

معاشرتی ومالی معاملات میں بعض ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جو نصوص میں بعینہٖ مذکور نہیں ہوتیں۔ اگر: ان میں کوئی صریح ممانعت نہ ہو، اور ان سے معاشرے کو منظم فائدہ حاصل ہوتا ہو، تو مصلحتِ مرسلہ کی بنیاد پر ان کی اجازت دی جاسکتی ہے، مثلاً: انتظامی ضوابط، جدید مالیاتی نظم ونسق، سرکاری فیس یا خدماتی معاوضہ وغیرہ۔ البتہ اگر کسی صورت میں سود، ظلم یا غرر شامل ہو تو محض ،،مصلحت ،، کے نام پر اسے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تہذیب اور ثقافت مفہوم اور امتیاز:

تہذیب اور ثقافت دونوں انسانی سماج کی ساخت اور شناخت کے بنیادی عناصر ہیں، مگر ان میں معنی اور دائرہ کار کے اعتبار سے فرق موجود ہے۔ تہذیب کسی معاشرے کے فکری، اخلاقی، قانونی اور ادارہ جاتی نظام کا مجموعہ ہوتی ہے، جب کہ ثقافت اس تہذیب کے عملی اور روزمرہ مظاہر کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید اور شریعت پر ہوتی ہے، اس لیے اسلامی تہذیب میں ثقافتی اخذ وعطا ہمیشہ اقداری حدود کے اندر انجام پاتا ہے۔

تہذیب عام طور پر انسان کی ترقی یافتہ معاشرتی، سیاسی، ساختی، اور مادّی نظام کی نمائندہ ہوتی ہے، مثلاً حکومت، عدالتی وتعلیمی ادارے، معاشی نظام، شہروں کا وجود وغیرہ۔ یہ بیرونی اور ساختی مظاہر پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسے قانونی نظام، انفراسٹرکچر، زبان وعلم کی ترقی۔ ثقافت مذہبی عقائد، اقدار، روایات، رسم ورواج، زبان، فنونِ لطیفہ، اور اخلاقی نظام جیسے غیر مادی عناصر کا مجموعہ ہے۔ یہ سماجی رویہ، روایات، اور دل ودماغ کے خیالات سے منسوب ہوتی ہے، جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔

تہذیب زیادہ تر مادّی، ڈھانچے اور نظام سے متعلق ہوتی ہے، جبکہ ثقافت غیر مادّی، روایتی وفکری اقدار کے اظہار سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ثقافت تہذیب کا اندرونی حصہ ہے، کیونکہ تہذیب کے ظاہری ڈھانچے ثقافتی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔17

اسلامی تاریخ میں تہذیبی اخذ وعطا کے نمایاں مظاہر:

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دوسری تہذیبوں سے علمی وفکری سرمایہ اخذ کیا، مگر اندھی تقلید کے بجائے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال کر ایک نئی، تخلیقی اور ہمہ گیر تہذیب کی صورت دی۔ یہی تہذیبی اخذ وعطا اسلامی تاریخ کی فکری وسعت کی دلیل ہے۔

ھندی علوم: ریاضیات، فلکیات، حساب، یہ اخذ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا گیا، اور جہاں کوئی نظریہ اسلامی عقائد سے متصادم تھا، وہاں اس کی اصلاح یا تنقید کی گئی۔18

ترجمہ تحریک اور بیت الحکمہ:

عباسی دور میں ترجمہ تحریک تہذیبی اخذ و عطا کی سب سے منظم مثال ہے۔" خلیفہ ہارون الرشید اور خصوصاً مامون الرشید کے زمانے میں بیت الحکمہ قائم ہوا، جہاں یونانی، سریانی، فارسی اور سنسکرت کتب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا یہ تحریک محض نقل نہیں تھی بلکہ تنقیدی مطالعہ، اضافے اور اصلاح، نئے علوم کی تشکیل، کا ذریعہ بنی"19۔

اسلامی تہذیب کی تخلیقی صلاحیت:

اسلامی تہذیب نے اخذ کردہ علوم کو بنیاد بنا کر نئے علمی و فکری نظام تشکیل دیے" جیسے علمِ جبر (الخوارزمی)، علمِ بصریات (ابن الہیثم)، طب (ابن سینا)، عمرانیات (ابن خلدون) یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی تہذیب فعال اور تخلیقی تہذیب تھی، نہ کہ محض تقلیدی"20۔

عصرِ حاضر میں اخذ و عطا کے چیلنجز:

عصرِ حاضر میں اخذ و عطا کا مسئلہ پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہو چکا ہے، کیونکہ آج مسلمان معاشرے صرف علوم ہی نہیں بلکہ تہذیب، اقدار اور طرزِ فکر بھی عالمی سطح پر اخذ کر رہے ہیں۔ اس صورتحال نے کئی فکری، اخلاقی اور تہذیبی چیلنجز کو جنم دیا ہے۔

عالمگیریت اور ثقافتی یلغار:

عالمگیریت کے نتیجے میں دنیا ایک ''گلوبل ولیج'' بن چکی ہے، جہاں مغربی تہذیب، اقدار اور طرزِ زندگی میڈیا، تعلیم اور معیشت کے ذریعے مسلم معاشروں میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ عمل بظاہر ترقی اور کھلے پن کے نام پر ہوتا ہے، مگر عملاً یہ ثقافتی یلغار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
اس تناظر میں اخذ و عطا کا بڑا چیلنج یہ ہے کہ مسلمان معاشرے نفع بخش سائنسی و فنی ترقی اور تہذیبی و اخلاقی انحراف کے درمیان امتیاز قائم نہیں رکھ پا رہے، جس سے تہذیبی شناخت کمزور ہو رہی ہے

سیکولرزم، لبرلزم اور صارفیت:

جدید دنیا میں سیکولرزم دین کو اجتماعی زندگی سے الگ کرنے کی فکر دیتا ہے "لبرلزم مطلق آزادی کا تصور پیش کرتا ہے، اور صارفیت انسان کو محض ایک خریدار بنا دیتی ہے۔ یہ تینوں نظریات مل کر اسلامی تصورِ حیات سے براہِ راست ٹکراتے ہیں۔
اخذ و عطا کے نام پر اگر ان نظریات کو بغیر تنقید کے قبول کیا جائے تو، دین نجی معاملہ بن جاتا ہے، اخلاقی حدود کمزور پڑ جاتی ہیں، مادّی مفاد کو مقصدِ حیات سمجھ لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء اور مفکرین محتاط اخذ پر زور دیتے ہیں"21۔

مسلم معاشروں میں فکری انتشار:

عصرِ حاضر کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں فکری انتشار پایا جاتا ہے۔ ایک طرف مغربی فکر سے مرعوب طبقہ ہے جو ہر نئی چیز کو ترقی سمجھتا ہے، اور دوسری طرف ایسا ردِ عمل پسند طبقہ ہے جو ہر جدید شے کو سراسر حرام قرار دیتا ہے۔ یہ انتہائیں اخذ و عطا کے متوازن اسلامی منہج کو نقصان پہنچاتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علمی وحدت ختم ہو جاتی ہے۔ اعتدال کی راہ گم ہو جاتی ہے، امت فکری تقسیم کا شکار ہو جاتی ہے، اسلامی منہج نہ اندھی تقلید سکھاتا ہے اور نہ جامد انکار، بلکہ تنقیدی اخذ کی تعلیم دیتا ہے"۔22

عصرِ حاضر میں اسلامی منہجِ اخذ وعطا کی تطبیقی صورتیں:

عصرِ حاضر میں اسلامی منہجِ اخذ وعطا کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان جدید دنیا کے سائنسی، سماجی اور ابلاغی وسائل سے فائدہ بھی اٹھائیں اور اپنی دینی و تہذیبی شناخت بھی محفوظ رکھیں۔ اسلامی منہج نہ تو اندھی تقلید کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی مطلق انکار کی، بلکہ مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تنقیدی اور بامقصد اخذ کی تعلیم دیتا ہے۔

جدید علوم و ٹیکنالوجی سے استفادہ:

اسلام علم کے حصول کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، خواہ وہ علم کسی بھی قوم کے پاس ہو، بشرطیکہ وہ انسانیت کے لیے نافع ہو۔ عصرِ حاضر میں سائنس، طب، انجینئرنگ، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت جیسے علوم سے استفادہ اسلامی منہجِ اخذ وعطا کی عملی صورت ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق جدید علوم قدرِ مشترک ہیں، ان کا استعمال اخلاقی حدود کے اندر ہونا چاہیے، علم کو فساد یا استحصال کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔

انسانی حقوق، جمہوریت اور سماجی اقدار:

عصرِ حاضر میں انسانی حقوق اور جمہوریت کو عالمی اقدار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسلامی منہجِ اخذ وعطا ان تصورات کو مکمل طور پر رد نہیں کرتا، بلکہ انہیں اسلامی اصولِ عدل، شوریٰ اور کرامتِ انسانی کی روشنی میں پرکھتا ہے۔

"اسلام میں انسانی حقوق اللہ کی عطا ہیں، ریاست کی دین نہیں، جمہوریت کا متبادل شوریٰ ہے، جو اخلاقی پابندیوں کے ساتھ ہے، آزادی مطلق نہیں بلکہ ذمہ داری سے مشروط ہے، یوں اسلام ان تصورات کو اخذ کرتا ہے، مگر ان کی فکری تطہیر کے بعد۔"23

میڈیا اور ڈیجیٹل کلچر کا اسلامی تجزیہ:

ڈیجیٹل میڈیا، سوشل نیٹ ورکس اور جدید ابلاغی ذرائع عصرِ حاضر کی طاقتور حقیقت ہیں۔ "اسلامی منہجِ اخذ وعطا ان ذرائع کو دعوت و تعلیم، اصلاحِ معاشرہ، شعور و آگاہی کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن فحاشی، جھوٹ، کردار کشی اور وقت کے ضیاع سے سختی سے روکتا ہے اسلامی تجزیہ کے مطابق میڈیا قدر کا حامل ذریعہ ہے، بذاتِ خود خیر یا شر نہیں، اس کا استعمال نیت، مقصد اور مواد پر منحصر ہے، ڈیجیٹل کلچر کو اخلاقی ضابطے میں لانا ضروری ہے"۔24

اسلامی منہجِ اخذ وعطا کے اصولی خدوخال:

اسلامی منہجِ اخذ وعطا ایک شعوری، تنقیدی اور مقصدی عمل ہے۔ اسلام نہ تو دوسری تہذیبوں سے اندھا انضمام سکھاتا ہے اور نہ ہی مطلق انکار، بلکہ ایک ایسا متوازن راستہ پیش کرتا ہے جس میں انتخاب، تنقیح اور تطبیق بنیادی اصول ہیں۔

انتخاب کا شعوری عمل:

اسلامی منہج میں اخذ وعطا کا پہلا اصول شعوری انتخاب ہے "اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی خارجی فکر، علم یا تہذیبی عنصر کو بغیر سوچے سمجھے قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے قرآن وسنت، مقاصدِ شریعت، اسلامی اقدار، کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ جو چیز نافع، مفید اور غیر

متصادم ہو، اسے قبول کیا جاتا ہے، اور جو دین یا اخلاق سے ٹکراتی ہو، اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ یہی اصول اسلامی تہذیب کو فکری خود مختاری عطا کرتا ہے"25۔

تنقیح و تطہیر :

اسلامی منہج کا دوسرا بنیادی اصول تنقیح و تطہیر ہے" جسے عصرِ حاضر میں "اسلامائزیشن" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اخذ کی گئی چیز کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے غیر اسلامی تصورات کو الگ کیا جائے، باطل مفروضات کی اصلاح کی جائے، مواد کو اسلامی عقائد و اخلاق کے مطابق ڈھالا جائے مسلمانوں نے تاریخ میں یونانی فلسفہ، طب اور منطق کو اسی اصول کے تحت قبول کیا، اور انہیں ایک نئے اسلامی فکری سانچے میں ڈھال دیا۔

حاصل بحث:

اسلامی تہذیب و ثقافت جامد نہیں بلکہ ایک متحرک اور ارتقائی نظام ہے جو مختلف اقوام سے تعامل کے ذریعے پروان چڑھا۔ یہ تہذیب اپنی بنیادی اصولی بنیادوں پر قائم رہتے ہوئے ظاہری تنوع کو قبول کرتی ہے۔ اسی تناظر میں اخذ و عطا کا منہج عصرِ حاضر میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اخذ کے لغوی معنی لینا اور اختیار کرنا ہیں، جبکہ اصطلاحاً اس سے مراد اصولی اور شعوری قبولیت ہے۔ قرآن و حدیث میں اخذ و عطا کو اخلاقی، فکری اور اقداری عمل قرار دیا گیا ہے۔ فقہی طور پر اخذ و عطا مقاصدِ شریعت، عرف اور مصلحت کے تحت جائز ہے۔ دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کے منافی امور سے اجتناب ضروری ہے۔ تہذیب معاشرے کے فکری و ادارہ جاتی ڈھانچے جبکہ ثقافت اس کے اخلاقی و روایتی مظاہر کی نمائندہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں دیگر تہذیبوں کے علوم سے استفادہ اسلامی تخلیقی صلاحیت کا ثبوت ہے۔ عصرِ حاضر میں اسلامی منہجِ اخذ و عطا تنقیدی، متوازن اور شعوری رویے کی دعوت دیتا ہے۔

نتائج ابحاث:

- اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اسلامی تہذیب ایک جامد یا منجمد تہذیب نہیں بلکہ ارتقائی، متحرک اور تخلیقی تہذیب ہے، جس نے مختلف ادوار میں دیگر اقوام سے تعامل کرتے ہوئے اپنی اصولی اساس کو برقرار رکھا اور مظاہر میں تنوع پیدا کیا۔
- اخذ و عطا کا تصور اسلامی فکر میں محض مادی لین دین تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اخلاقی، فکری اور تہذیبی اصول ہے، جو قرآن و سنت کی رہنمائی میں شعوری انتخاب، ذمہ داری اور امانت کے تصور پر قائم ہے۔
- قرآنِ مجید میں اخذ و عطا کا تصور عدل، رضامندی، طہارتِ مال اور معاشرتی توازن سے وابستہ ہے، جیسا کہ آیاتِ تجارت، زکوٰۃ اور حکمت کی عطا سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی معاشی و سماجی نظام اخذ و عطا کے منظم اور اخلاقی اصولوں پر قائم ہے۔
- احادیثِ نبویہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اخذ و عطا کا دائرہ علم، حکمت اور خیر کی اشاعت تک وسیع ہے۔ مؤمن کو جہاں بھی حکمت ملے اسے قبول کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت سے متصادم نہ ہو۔ یوں اسلامی فکر میں علمی کشادگی اور اصولی استقامت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

- عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں اخذ وعطا کا عملی نمونہ ایک منصفانہ، فلاحی اور متوازن معاشرے کی تشکیل کی صورت میں سامنے آیا، جہاں مواخات، عدلِ اجتماعی اور علمی اشاعت نے ایک مضبوط تہذیبی بنیاد فراہم کی۔
- مصلحتِ مرسلہ اور عرف جیسے اصول اسلامی فقہ میں اخذ وعطا کے لیے لچکدار مگر منضبط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ نصوصِ قطعیہ سے متصادم نہ ہوں اور عمومی مصلحت پر مبنی ہوں، ان کی بنیاد پر جدید معاشرتی ومالی معاملات کی شرعی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔
- مسلم معاشروں میں فکری انتشار کی ایک بڑی وجہ اخذ وعطا کے اصولی منہج سے دوری ہے۔ ایک طبقہ اندھی تقلید کا شکار ہے جبکہ دوسرا مطلق انکار کا؛ حالانکہ اسلامی تعلیمات معتدل، تنقیدی اور اصولی تعامل کی دعوت دیتی ہیں۔
- عصرِ حاضر میں جدید علوم، ٹیکنالوجی، انسانی حقوق اور ابلاغی ذرائع سے استفادہ اسلامی منہج کے مطابق جائز اور بعض اوقات ضروری ہے، بشرطیکہ ان کا استعمال اخلاقی حدود اور مقاصدِ شریعت کے تحت ہو۔
- تحقیق کا حتمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی منہجِ اخذ وعطا ایک شعوری، تنقیدی، مقاصدی اور اقداری نظام ہے، جو انتخاب، تنقیح، تطہیر اور تطبیق کے مراحل سے گزرتا ہے۔ یہ منہج امت کو تہذیبی خود مختاری، فکری توازن اور دینی استقامت عطا کرتا ہے۔
- اس مطالعے سے یہ اصولی حقیقت سامنے آئی کہ اسلامی تہذیب میں اخذ وعطا کا معیار ''مفاد'' نہیں بلکہ ''مقصد'' ہے؛ یعنی ہر قبولیت کو مقاصدِ شریعت اور دینی شناخت کے معیار پر پرکھا جاتا ہے۔ یہی اصول عصرِ حاضر کے تہذیبی تعامل میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

References:

---

1 ابی الحسین احمد بن فارس ذکریا ،**معجم مقاییس الغة**(بیروت:دارحیا اتراث العربی ،2001ء)،1/133۔

Abi al-Husayn Ahmad ibn Fāris Zakariyā, *Muʿjam Maqāyīs al-Lughah* (Bayrūt: Dār Ḥayā’ al-Turāth al-ʿArabī, 2001), 133/1.

2 **القرآن** 145:7۔

Al-Qur'ān, 7:145.

3 **القرآن** 269:2۔

Al-Qur'ān, 269:2

4۔القرآن29:4۔

Al-Qur'ān, 4:29.

5 القرآن،103:9۔

Al-Qurʾān, 9:103.

6 الترمذي، أبى عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي ، **الجامع الصحيح سنن الترمذي**، باب في حقوق المال، كتاب الزكاة (بيروت :دار الفكر للطباعة والنشر)، رقم الحديث:2687۔

Al-Tirmidhī, Abū ʿĪsā Muḥammad ibn ʿĪsā ibn Sūrah al-Tirmidhī, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ Sunan al-Tirmidhī*, Bāb fī Ḥuqūq al-Māl, Kitāb al-Zakāh (Bayrūt: Dār al-Fikr li-l-Ṭibāʿah wa-l-Nashr), Ḥadīth no.: 2687.

7مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري ، **الجامع الصحيح المسلم**، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس (بيروت: دار الأفاق الجديدة، س ن) ، رقم الحديث:2446۔

Muslim ibn al-Ḥajjāj ibn Muslim al-Qushayrī al-Naysābūrī, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ al-Muslim*, Kitāb al-Zakāh, Bāb Karāhat al-Masʾalah li-l-Nās (Bayrūt: Dār al-Āfāq al-Jadīdah, s.n.), Ḥadīth no.: 2446.

8مسلم، **صحيح مسلم** ، كتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع،رقم الحديث:6757۔

Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Birr wa al-Ṣilah, Bāb Istḥab al-ʿAfw wa al-Tawāḍuʿ, Ḥadīth no.: 6757.

9 البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، **أبو عبد الله، الجامع المسند الصحيح** كِتَاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، باب ما ذكر عن بني إسرائيل (بيروت: دار ابن كثير،1407ھ)،رقم الحديث :3461۔

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl ibn Ibrāhīm ibn al-Mughīrah, Abū ʿAbdullāh, *Al-Jāmiʿ al-Musnad al-Ṣaḥīḥ Kitāb Aḥādīth al-Anbiyāʾ*, Bāb Mā Dhukira ʿan Banī Isrāʾīl (Bayrūt: Dār Ibn Kathīr, 1407H), Ḥadīth no.: 3461.

10ابو اسحاق بن ابراہیم الشاطبیؒ، مترجم، عبد الرحمن کیلانی، **الموافقات فی اصول الشریعہ** (لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ لابیری نسبت روڈ، جولائی 1993ء)، 46/2۔

Abū Isḥāq ibn Ibrāhīm al-Shāṭibī, mutarjam: ʿAbdur Raḥmān Kīlānī, *Al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Sharīʿah* (Lāhor: Markaz Taḥqīq Dyal Singh Library, Nisbāt Road, July 1993), 2/46.

11امام ابن رجب الحنبلی، مترجم، قاری صہیب احد میر محمدی، **جامع العلوم الحکم** (مدینہ: کلیۃ القرن الکریم الدنیۃ اسلامیہ،2023ء)،46۔

Imām Ibn Rajab al-Ḥanbalī, mutarjam: Qārī Ṣaḥīb Aḥad Mīr Muḥammadī, *Jāmiʿ al-ʿUlūm al-Ḥikam* (Madīnah: Kulliyyat al-Qarn al-Karīm al-Dunyah al-Islāmiyyah, 2023), 46.

12 احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، مترجم، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، **اقتضا الصرط المستقیم** (لاہور: المکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، 1996ء)، 83۔

Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm Ibn Taymiyyah, mutarjam: Dr. Muqtadā Ḥasan Azharī, *Iqtiḍāʾ al-Ṣarīṭ al-Mustaqīm* (Lāhor: Al-Maktabah Salafiyyah, Shīsh Mahal Road, 1996), 83.

13 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم، مولانا خلیل احمد، **حجۃ اللہ البالغہ** (لاہور: کتب خانہ شان اسلام اردو بازر، س۔ن)، 144۔

Shāh Walīullāh Muḥaddith Dehlawī, mutarjam: Maulānā Khalīl Aḥmad, *Ḥujjatullāh al-Bālaghah* (Lāhor: Kutub Khānah Shān Islām Urdu Bāzar, s.n.), 144.

14 علامه محمد امين ابن عابدين شامى ،**رد المحتارعلى الدرالمختار**(بيروت:دار العرفة،1420ھ)،1/123۔

Allāmah Muḥammad Amīn ibn ʿĀbidīn Shāmī, *Radd al-Muḥtār ʿalā al-Durr al-Mukhtār* (Bayrūt: Dār al-ʿUrfah, 1420H), 1/123.

15 امام شہاب الدين ابوالعباس احمد بن ادريس بن عبدالرحمن القرافى مصرى مالكى،**أنوارالبروق في أنواء الفروق** (بيروت: دار الكتب علميه،1998ء)،32/2۔

Imām Shahāb al-Dīn Abū al-ʿAbbās Aḥmad ibn Idrīs ibn ʿAbd al-Raḥmān al-Qarāfī al-Miṣrī al-Mālikī, *Anwār al-Burūq fī Anwāʾ al-Furūq* (Bayrūt: Dār al-Kutub ʿIlmiyyah, 1998), 2/32.

16 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، **الانصاف فی بیان سبب الاختلاف** (رامپور: مطبع احمدی، 1887ء)، 47۔

Shāh Walīullāh Muḥaddith Dehlawī, *Al-Inṣāf fī Bayān Sabab al-Ikhtilāf* (Rāmpur: Maṭbaʿ Aḥmadī, 1887), 47.

17 ڈاکٹر علی اکبر ولایتی، **اسلامی تہذیب وثقافت** (ایرن: معارف اسلام پبلشیرز، 1386ھ)، 22۔

Dr. ʿAlī Akbar Velayatī, *Islāmī Tehzīb wa Saqāfat* (Īrān: Maʿārif Islām Publishers, 1386H), 22.

18 آدم متز،**الحضارة الإسلامية في القرن الرابع الهجري**،مترجم،محمد عبد الهادي أبو ريدة(مصر: الهيئة المصرية العامة للكتاب،1951ء)،1/36۔

Ādam Metz, *Al-Ḥaḍārah al-Islāmiyyah fī al-Qarn al-Rābiʿ al-Hijrī*, mutarjam: Muḥammad ʿAbd

al-Hādī Abū Rīda (Miṣr: al-Hay'ah al-Miṣriyyah al-ʿĀmmah lil-Kitāb, 1951), 36/1.

19 George Sarton ، Introduction to the History of Scienc (Baltimor :Williams & Wilkins) 1927-1/535.

20- Seyyed Hossein Nasr، Science and Civilization in Islam(Harvard: Harvard University Press، 1968ء) 54-

21سید ابو علی مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، 1969ء)، 17۔

Sayyid Abū ʿAlī Maudūdī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Nazariyāt* (Lāhor: Islāmik Publications Limited, 1969), 17.

22 طٰہٰ جابر العلوانی، **ازمة الفكر الإسلامي**(بيروت: المعهد العالمي للفكر الإسلامي ،2005ء)،43۔

Ṭāhā Jābir al-ʿAlwānī, *Azmat al-Fikr al-Islāmī* (Bayrūt: al-Maʿhad al-ʿĀlamī lil-Fikr al-Islāmī, 2005), 43.

23ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام کا سیاسی نظام**(لاہور: ترجمان القرآن، 2012ء)، 104۔

Abū al-Aʿlā Maudūdī, *Islām kā Siyasī Niẓām* (Lāhor: Tarjumān al-Qur'ān, 2012), 104.

24 طٰہٰ ، **ازمة الفكر الإسلامي** ،175۔

Ṭāhā, *Azmat al-Fikr al-Islāmī*, 175.

25شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم، مولانا خلیل احمد، **حجۃ اللہ البالغہ**، 100۔

Shāh Walīullāh Muḥaddith Dehlawī, mutarjam: Maulānā Khalīl Aḥmad, *Ḥujjatullāh al-Bālaghah*, 100.